

عبدالستار غوری

عبدالستار غوری ۱۹۹۶ء میں ”المورد“ آئے۔ میں اس وقت جامعہ عثمانیہ ماڈل ٹاؤن میں دورہ حدیث میں شریک تھا۔ اگلے دو برس میں نے اپنے فارغ اوقات اسی جامعہ میں مختلف کتب کی ورق گردانی کرتے گزار دیے تا آنکہ ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب مجھے ”المورد“ میں بھیج لائے۔ ”المورد“ کی لائبریری کے ہال میں ایک کرسی میز مجھے مل گئی۔ میں صبح ساڑھے سات بجے ”المورد“ جاتا، اپنی نشست پر بیٹھتا اور نو بجے لوٹ آتا۔ ان اوقات میں عبدالستار غوری ”المورد“ میں ہوتے نہ ان سے ملاقات کا سوال پیدا ہوتا۔ جب ماہنامہ ”اشراق“ میں میرے مضامین باقاعدگی سے چھپنا شروع ہوئے تو یہ ڈیڑھ گھنٹا مجھے کم پڑ گیا۔ تب میں نے دوپہر کے ایک گھنٹے کا اضافہ کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب غوری صاحب سے میرا تعارف ہوا۔ مجھے معلوم ہوا کہ تقابل ادیان اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئیاں ان کا خاص موضوع ہیں۔ ایک وجہ تعارف اور بھی تھی کہ غوری صاحب وقتاً فوقتاً، بہانے بہانے سے احباب ”المورد“ کی دعوت کرتے رہتے تھے۔ یہ دعوتیں کھانے کے باوجود میں عبدالستار غوری کے زیادہ قریب نہ ہو سکا، کیونکہ میری نام نہاد مصروفیات اس میں رکاوٹ تھیں۔ وقت کی کمی اور مزاج کی کوتاہی کی بنا پر میں دوستوں سے کم ہی ہم نشین ہوتا، ”المورد“ میں کچھ کام، کچھ آرام کر کے چلا جاتا۔ غوری صاحب کا کمرہ اوپر کی منزل میں تھا، اس لیے بھی ملاقات کا موقع نہ ملتا۔ ۲۰۰۸ء میں ”المورد“ میں کچھ انتظامی تبدیلیاں ہوئیں اور اس کا رزگورہوں میں رہ کر کام کرنے کی ہدایت ہوئی تو غوری صاحب کا بھی ”المورد“ میں آنا کم ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ان کا کمرہ خالی ہوا، لیکن انھوں نے ہفتے میں تین چار دن ”المورد“ میں گزارنے کا معمول اختیار کر لیا۔ اس روٹین میں اس وقت شدت آگئی جب انھوں نے اپنی کتاب ”Muhammad Foretold in The Bible by Name“

کے اردو ترجمہ کی تدوین کرنا شروع کی۔ ان دنوں وہ صبح ساڑھے سات بجے سے شام چھ بجے تک ’المورد‘ میں موجود رہتے۔ بسا اوقات ہفتہ وار چھٹی کا دن بھی یہیں گزارتے۔ ان کا قیام لاہور میں ہوتا جہاں میں بھی صبح و دوپہر دو وقت آتا۔ یہی ایام تھے جب میرا ان سے اختلاط بڑھا۔ سوئے طبع کی وجہ سے میں تب بھی غوری صاحب سے زیادہ استفادہ نہ کر سکا، میری حیثیت ایک مشاہد اور مبصر ہی کی رہی۔ اسی دور کے چند تاثرات قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

عبدالستار غوری بڑے جفاکش اور محنتی تھے۔ عمر کے آخری حصے میں، میں نے انہیں دیکھا کہ لگا تار کام کیے جا رہے ہیں۔ ذرا تکان ہوئی تو چند لمبے لیٹ لیے اور پھر لیپ ٹاپ کے آگے بیٹھ گئے۔

غوری صاحب کی تمام ملازمت ہائی اسکول اور محکمہ تعلیم کی تھی۔ وہ اگست ۱۹۹۵ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول گڑھی افغانستان، ٹیکسلا سے سینئر ہیڈ ماسٹر کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ عام طور پر اسکول ٹیچرز کا مطالعہ اتنا وسیع ہوتا ہے، نہ وہ اتنی گہری علمی نظر کے حامل ہوتے ہیں جو ہمیں غوری صاحب میں دیکھنے کو ملی۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ دین سے شغف رکھنے کے ساتھ ان تھک محنت کے عادی تھے۔ بی ایڈ کرنے کے علاوہ انہوں نے ۱۹۶۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے، علوم اسلامیہ کی ڈگری حاصل کی۔ وہ فاضل اردو اور فاضل فارسی ہونے کے ساتھ عربی زبان کے بھی اچھے عالم تھے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے منعقدہ کورس ’اللسان العربی‘ میں پاکستان بھر میں اول آئے اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔

عربی زبان پر غوری صاحب کی دسترس اساتذہ سے کہیں بڑھی ہوئی تھی۔ ایک دو بار میں نے عربیت کے اچھے ہوئے مسائل ان کے سامنے پیش کیے تو انہوں نے تسلی بخش جواب دیا۔ اس طرح انگریزی زبان پر بھی غوری صاحب کو کامل عبور حاصل تھا۔ ان کی انگریزی تحریریں اس پر شاہد ہیں۔

سینئر اساتذہ کا پیپر سیٹر اور ہیڈ ایگزامینر ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ غوری صاحب ’نیشنل کمیٹی برائے نصاب سازی‘ کے سرگرم رکن رہے جس نے پہلی سے بارہویں جماعت تک کا اسلامیات، عربی اور ترجمہ قرآن کا نصاب تیار کیا۔ انہوں نے حکومت آزاد کشمیر کے لیے اسوۂ حسنہ کا نصاب بھی ترتیب دیا۔

عبدالستار غوری مسلسل آٹھ برس ریڈیو پاکستان پر ہفتے میں دو بار درس حدیث دیتے رہے۔ واہ کینٹ اور اسلام آباد میں کئی سال تک خطبہ جمعہ دیا، اسلام آباد میں درس قرآن کا آغاز کیا۔

عبدالستار غوری ’المورد‘ کے کارکنوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ میں نے انہیں کئی دفعہ رفقا کی مالی مدد کرتے

دیکھا۔ ایک بار خود مجھے ادھارا اٹھانے کی ضرورت پڑی تو انھی سے رجوع کیا۔
غوری صاحب ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جاتے۔ ان سے ہنسی مزاح، دل لگی کرتے۔ اس وقت یہ محسوس نہ ہوتا
کہ ان میں اور ’المورد‘ کے کارکنوں میں عمر اور علم کا تفاوت ہے۔

بڑھاپے اور ذیابیطس کی وجہ سے غوری صاحب کے لیے اٹھنا دو بھر ہوتا تو نعرہ لگاتے: اٹھ، شیر خدا! میں نے
اسے بھی سامان دل لگی بنا لیا تھا۔ کبھی کہتا: شیر خدا بوڑھا ہو گیا ہے، شیر خدا تھک گیا ہے۔ جب کچھ دن نہ آتے تو کہتا:
شیر خدا کو بہت دنوں بعد دیکھا ہے۔ یہ بھی کہتا: کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے۔ واحسرتا! کہ شیر خدا ٹیکسلا میں
آسودہ خاک ہو گیا ہے۔ اب یہ نعرہ میں کبھی نہ سن پاؤں گا، البتہ طوفان زندگی کے پیپڑے کھانے کے لیے جب تک
موجود ہوں، یہ میرے کانوں میں گونجتا رہے گا۔

’المورد‘ کے لائبریرین جاوید اشرف صاحب کی روایت ہے، امسال جنوری میں عبدالستار غوری صاحب ’المورد‘
آئے تو کہا: اب کے برس میں سو جاؤں گا۔ شاید انھیں اپنا رخصت ہونا معلوم ہو گیا تھا۔

اللہم زد فی حسناتہ و نق خطایاہ بالثلج والبرد

’...موریاہ (یا المروہ) ہمورہ اور مرے تین الگ الگ الفاظ ہیں۔ موریاہ (یا المروہ) کی یہ
حیثیت کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے اپنے ’اکلوتے بیٹے‘ کی قربانی کا مقام ہے، یہودی، مسیحی اور مسلم
روایت میں مسلم متفق علیہ ہے۔ البتہ یہ کہ اس کا محل وقوع کیا ہے، ایک مختلف فیہ بات ہے۔
مسلمانوں کے نزدیک یہ مقام مکہ کا المروہ ہے اور یہود و نصاریٰ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہیں۔
اگرچہ کتاب تواریخ کے مصنف کے نزدیک یہ یروشلم میں وہ جگہ ہے جہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کیا
گیا تھا، لیکن یہ بیان بوجہ درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مورہ کا تعلق کوہ جریزیم سے ہے اور
مرے مکفیلہ اور حبرون کے علاقے میں واقع ہے، یعنی مورہ یروشلم کے شمال میں واقع ہے اور
مرے اس کے جنوب میں۔‘ (اکلوتہ فرزند ذبیح اٹحق یا سلعیل، عبدالستار غوری ۷۶)